© rasailojaraid.com

حوض کا پانی اس قدر مثل آئینہ صاف و شفاف اور نظیف ہوا کرتا تھا کہ نیلگوں آسمان کا عکس اور ستارے و سیارے کے چہرے اس میں صاف جھلکتے تھے۔ گرمیوں میں اس کا پانی خشک اور موسم باراں میں جل تھل ہو جایا کرتا تھا۔ شہر دہلی میں یہ حوض مصر کے دریائے نیل اور دجلہ سے کم نہ تھا کہ جس سے پوری خلقت سیراب ہوتی تھی۔

الغرض امیر خسروؒ کی یہ تصنیف جس کا بالاختصار معاشرتی وثقافتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا مفصل جائزہ لینے اور مطالعہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود ونصاری) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات، ان کی بد اعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط اور دقیق مقدّمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی حسین طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات: ۲۹۶ قیمت =/۷۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، D-307، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو نئی مطبوعات

۱ — توحید اور قیامِ عدل مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہوجاتی ہے۔ یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیال پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت: ـ/۵۰ روپے

۲ — اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

زمانۂ نزول قرآن میں یہودیت اور عیسائیت دو بڑے مذاہب تھے۔ قرآن نے ان کے ماننے والوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کی تحریفات اور انحرافات کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ہی اللہ کا اصل دین ہے، جسے لے کر ہر پیغمبر آیا تھا اور جس کے ساتھ اب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ان بنیادی نکات کو نمایاں کیا گیا ہے جنھیں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کو دیگر اہل مذاہب سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس مطالعہ میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قدیم و جدید کتبِ تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ صفحات: ۸۴، قیمت: ـ/۵ ۸روپے

—: ملنے کے پتے :—

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر — ۹۳ علی گڑھ — ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی — ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث ونظر

اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ

اسلام کا نقطۂ نظر

ـــــــــــــــ مولانا محمد قمر الزماں ندوی

انسانی زندگی کی سلامتی وحفاظت کو اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کے لیے شریعت میں خصوصی ہدایات واحکام ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والے کے لیے ان چیزوں سے اجتناب اور پرہیز لازم قرار دیا ہے جو انسانی زندگی کے تحفظ میں رکاوٹ اور مانع بنتی ہیں اور ان سے ہلاکت وبربادی کا خطرہ رہتا ہے۔

اسلام اس سلسلے میں بہت حساس واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے انسانی جان کی حفاظت کے لیے حالتِ اضطرار میں حرام اشیاء کو کھانے اور پینے کی اجازت دی ہے۔ حیاتِ انسانی کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ علاج معالجہ بھی ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے علاج کرانے کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جیسے بیماریاں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوئی ہیں، اسی طرح دوائیں بھی اس کے حکم سے وجود میں آئی ہیں، لہٰذا جب بیمار ہو جاؤ تو دوا کا استعمال کرو۔ احادیث نبویہ سے یہ بات بالکل ثابت ہے کہ خود آپؐ نے خود بھی اپنا علاج کرایا ہے۔ کتب حدیث میں طب نبویؐ کا ایک مستقل باب ہے۔

میدانِ طب میں حیرت انگیز ترقیاں

عہد رفتہ میں عام طور پر نباتات اور جمادات سے علاج کیا جاتا تھا۔ بعض دوائیں زمینی اجزاء سے حاصل کی جاتی تھیں، جیسے چونا، لوہا، سونا چاندی وغیرہ اور نباتات تو بے شمار ہیں جن کا دوا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ آج بھی بیش تر دوائیں نباتات سے حاصل کی جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن انسانی زندگی ہر دم رواں دواں ہے۔ ہر نیا زمانہ اپنے ساتھ نئے مسائل لے کر آتا ہے، خاص طور پر سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں مشین کی ایجاد کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا ہے، اس سے زندگی کا کوئی گوشہ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا ہے۔ اس نے زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور ہر علم و فن میں نئے مسائل پیدا کر کے تحقیق و تفتیش کے نئے میدان کھولے ہیں۔ میدانِ طب و جراحت میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں ہوئی ہیں، جن کے نتیجے میں ایسے بے شمار فقہی مسائل پیدا ہوئے ہیں جن کا صریح حکم قرآن و حدیث یا فقہ میں موجود نہیں ہے۔ ان کا حکم جاننے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

طب و جراحت کی موجودہ ترقیات نے معالجات میں جو بہت سی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں، ان سے جہاں طبی فوائد حاصل ہوئے ہیں، وہیں بہت سے شرعی مسائل حلال و حرام کے متعلق بھی پیدا ہو گئے ہیں، مثلاً ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا، ایک کی کھال دوسرے کے بدن پر جمانا، ایک شخص کی آنکھ، ناک، گردہ وغیرہ دوسرے کے جسم میں منتقل کرنا، وغیرہ۔

تمام مسائل کا حل شریعت میں موجود ہے

موجودہ سائنسی ترقی سے پہلے انسانی اجزاء سے علاج کا تذکرہ ایک دو صورتوں کو چھوڑ کر نہیں ملتا، جیسے کتب فقہ میں عورت کے دودھ کو کان کے درد میں دوا کے طور پر استعمال کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے، لیکن انسانی اعضاء اور دوسرے اجزاء کے ذریعہ علاج کا تذکرہ نہیں ملتا۔ انسانی اجزاء میں سے ایک شخص کا خون دوسرے شخص کو چڑھانے کی فقہاء نے ضرورت پڑنے پر اجازت دی ہے، لیکن کیا ایک شخص کے عضو کی دوسرے شخص کے جسم میں پیوند کاری کی جا سکتی ہے؟ یا کیا کوئی شخص اپنے جسم کا کوئی عضو دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جس کا جواب براہ راست قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے، لیکن اسلامی شریعت اسلامیہ کا کمال یہ ہے کہ ان کے بتائے ہوئے اصول اور قواعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں صحیح غور وفکر سے کام لیا جائے تو ہر نئے سوال اور نئی صورت کا جواب اس میں مل جائے گا؟ شرط یہ ہے کہ قرآن وسنت کے علوم کو اسلاف کی تشریح وتوضیح کی روشنی میں سمجھا جائے اورخوف خدااور آخرت کی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ شرعی حدود کے اندرضرورتوں کی تکمیل پیش نظر ہو،محض وقتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے قرآن وسنت کی نصوص میں کھینچ تان اور بے جا تاویلات نہ کی جائیں۔

چند اصولی مباحث

مذکورہ موضوع چوں کہ انتہائی حساس ہے،اس لیے اس سے متعلق سوالات کے جوابات سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینا ضروری ہے،تا کہ آنے والے مسائل اور ان کے جوابات کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

(الف) ہرحرام چیز بنی نوع انسان کے لیے مضر ہے

پہلی اصولی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جن چیزوں کوحرام وممنوع قرار دیا ہے اور ان کی حرمت کا باقاعدہ اعلان واظہار کر دیا ہے، وہ تمام انسانوں کے مفاد کی خاطراور بڑی حکمت ومصلحت پر مبنی ہیں۔حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے،اس کا ہر کام حکمت سے پر ہے،اس کا کوئی حکم فضول وبے فائدہ نہیں ہوسکتا۔

اس لیے ایمان والوں کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ جن چیزوں کواللہ کی جانب سے ہم پرحرام کیا گیاہے، وہ انسانیت کے لیے ضرر رساں ہیں۔اگران میں کوئی نفع محسوس بھی ہوتو مضرت کا پہلو بہرحال غالب ہوگا۔ ان میں سے بعض مضرتیں تو ایسی ہوتی ہیں جوانسانی جسم کو بیمار یا کمزور کر دیتی ہیں اور بعض وہ ہیں جن سے جسم کوظاہری طور پرتو کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا،مگر وہ روح انسانی کے لیے مضر ہوتی ہیں اور انسانی اخلاق وکردار پر ان کابہت برااثر پڑتا ہے۔

(ب) انسانی تکریم وتعظیم

دوسری اصولی چیزیہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک نے زمین وآسمان کی تمام مخلوقات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انسان کو تکریم و تعظیم اور فضیلت و شرف کے اعلیٰ معیار پر فائز فرمایا ہے اور ظاہری اور معنوی ہر دو حیثیت سے اس کو تمام کائنات میں اعلیٰ اور ممتاز درجہ دیا ہے۔ تکریم انسانی کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ اولادِ آدم کو زندگی اور آسودگی کی خاطر کائنات کی تمام مخلوقات سے اپنی خدمت اور کام لینے کا حق دیا گیا۔ غور کیجیے، بہت سے جانوروں کے دودھ سے لے کر گوشت اور ہڈی وغیرہ سب چیزیں انسان کے لیے مباح کر دی گئیں کہ وہ ان کو اپنی ضرورت میں استعمال کریں، انسانی جان کی حفاظت کے لیے احکام و مسائل میں طرح طرح کی آسانیاں پیدا کی گئیں اور انسان کو یہ باور کرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، زحمت اور پریشانی نہیں چاہتا اور خاص اضطراری صورتوں اور حالتوں میں انسانی جان کی حفاظت کے لیے بہت سی حرام چیزوں میں گنجائش دی گئی۔ تکریم انسانی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان اپنی خوراک اور علاج و دوا کے لیے بے شمار چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر یا کوٹ پیس کر اپنے کام لا سکتا ہے، مگر کسی انسان کے جز اور عضو کے ساتھ یہ معاملہ جائز نہیں، کیوں کہ یہ تکریم انسان کے خلاف ہے۔ اس کے اجزاء کا لین دین، بیع و شراء تمام اشیاء کی طرح جائز نہیں۔ علاج و دوا کے معاملے میں شریعت اسلامی کے تمام احکام ان ہی دونوں پہلوؤں کی رعایت پر دائر ہیں۔ [۱۷]

(ج) جسم انسانی اللہ کی امانت ہے

تیسری اصولی بات یہ ہے کہ جسم انسانی اللہ تعالیٰ کی مقدس امانت ہے، انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ انسانی حرمت و کرامت کا تقاضا اور خدائی امانت کا لحاظ اسی میں ہے کہ انسان کسی بھی صورت میں اپنی جان و جسم کو ضائع و برباد نہیں کر سکتا اور نہ کسی انسان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ناحق کسی انسانی جان کو ضائع اور برباد کرے۔ اسی لیے اکثر فقہاء نے انسانی اجزاء و اعضاء سے انتفاع کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کہیں انسان متاع خرید و فروخت بن جائے۔ یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حرمت و کرامت میں زندہ اور مردہ دونوں مساوی ہیں۔ اس لیے نہ زندہ انسان کے اعضاء اس مقصد کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں نہ مردہ [۱۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ۔اس سلسلے میں صراحت اس حدیث میں ملتی ہے : **"کسر عظم المیت ککسر عظم الحی"** مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس شخص کی ہڈی توڑنا"۔ ۲؎

چند فقہی اصطلاحات

اہل مغرب کی طرف سے دباؤ اور میدان طب میں ان کی حیرت انگیز ترقی سے متاثر ہو کر آج عوام الناس، بلکہ خواص کا بڑا طبقہ یورپ کی ہر طرح کی طبی سہولیات سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے، چاہے وہ شریعت اسلامی کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں ۔آج ہر انسان حاجت کو ضرورت کا درجہ اور اضطرار کا مقام دے رہا ہے، حالاں کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔علامہ حمویؒ نے احتیاجات کے پانچ درجے قرار دیے ہیں :

(۱) ضرورت:

ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک یا قریب الموت ہو جائے گا۔اسی کو اضطرار کہتے ہیں ۔اس حالت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال چند شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے۔

(۲) حاجت:

حاجت کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا، مگر اسے مشقت اور تکلیف شدید ہوگی ۔ یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے۔ اس لیے اس کے واسطے روزہ، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولت تو دی گئی ہے، مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوں گی۔

(۳) منفعت:

منفعت یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا، لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے، جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں۔ اس حالت کے لیے نہ کوئی حرام حلال ہو سکتا ہے، نہ روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے۔اگر کسی شخص کو مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہو سکیں تو وہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا استعمال کرے اور نہ حاصل ہو سکیں تو صبر کرے۔

(۴) زینت:

زینت وہ چیز ہے، جس سے بدن کو کوئی خاص تقویت حاصل نہ ہو، بلکہ آدمہ اس کا استعمال، محض تفریح اور خواہش کے طور پر کرے۔ ظاہر ہے، اس کام کے لیے کسی ناجائز چیز کو جائز کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) فضول:

فضول سے مراد وہ چیز ہے جو زینت کے دائرہ سے بھی آگے، محض ہوس ہو۔ اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لیے احکام میں کوئی رعایت نہیں دی گئی، بلکہ اس کی مخالفت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔[۳۰]

ایک قوی اندیشہ

انسانی اعضاء کو قطع و برید کر کے استعمال کرنا انسانی شرافت وتکریم اور مسدأ تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے۔ دنیا کے ہر دور میں عقلاء وحکماء نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا ہے کہ انسانی اعضاء کی خرید و فروخت اور انھیں کاٹ تراش کر استعمال کرنا سنگین جرم اور سخت ناپسندیدہ ہے، انسانیت کے ساتھ مذاق اور اس کی توہین وتذلیل ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی مختلف شریعتوں کا بھی اس پر اتفاق رہا ہے۔ اس لیے انسان کے عضو کا بدل جمادات یا نباتات وغیرہ سے تلاش کیا جائے اور فنی مہارت کے ذریعہ اس کو کارآمد اور مفید بنایا جائے، جیسے مصنوعی دانت، مصنوعی آلۂ سماعت، پیس میکر وغیرہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حیوانات کے اعضاء سے یہ کام لیا جائے۔ یہ بھی قدیم زمانہ سے مروج ہے اور موجودہ طبی تحقیقات اور سرجری کی ترقیات نے اس فن میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر لی ہے۔ اگر اس فن پر اس کے ماہرین اپنی پوری توجہ مبذول کر دیں تو بعید نہیں کہ مزید راہیں کھلیں اور زیادہ سے زیادہ مفید اور کامیاب علاج کی صورتیں نکلیں۔

یہ دونوں صورتیں تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہیں اور دینی و دنیوی، شخصی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعی ہر لحاظ سے بے ضرر ہیں، جب کہ تیسری صورت، یعنی انسانی اعضاء سے دوسرے انسانوں کا علاج اور ان کے لیے اعضاء و اجزاء انسانی کا عطیہ، اس میں اگر چہ ظاہری اعتبار سے بہت سے فائدے ہیں، جن کا آج مشاہدہ کیا جا رہا ہے،لیکن اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو یہ صورت پوری انسانیت کے لیے تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔اس سلسلے میں مفتی محمد شفیعؒ نے متنبہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''انسان کو جس طرح خود کشی کرنا حرام ہے اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی دوسرے کو رضا کارانہ طور پر بلا معاوضہ دے دینا بھی حرام ہے۔ فقہاء نے قرآن و سنت کی واضح نصوص کی بنا پر فرمایا ہے کہ جو شخص بھوک پیاس سے مر رہا ہو اس کے لیے مردار جانور اور ناجائز چیزوں کا کھانا پینا تو بقدرِ ضرورت جائز ہو جاتا ہے ،مگر یہ بات اس وقت بھی جائز نہیں ہوتی کہ کسی دوسرے زندہ انسان کا گوشت کھالے اور نہ کسی انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا گوشت یا کوئی عضو دوسرے انسان کو بخشش کر دے، کیوں کہ خرید و فروخت یا بخشش و ہدیہ اپنی مِلک میں ہو سکتا ہے، روح انسانی اور اعضاء انسانی اس کی مِلک نہیں، جو وہ کسی کو دے سکے''۔

آج کل ڈاکٹری اور سرجری کی نئی ترقیات نے فنی طور پر بلا شبہ اپنے کمال کا مظاہرہ کیا ہے کہ ایک انسان کی آنکھیں دوسرے نابینا انسان کے چہرہ میں پیوست کر کے اس کو بینا کر دکھایا، ایک انسان کا گردہ، پتہ، پھیپھڑا دوسرے مریض انسان کے جسم میں لگا کر اس کو تندرست کر دینے کا کرشمہ دکھایا۔ اس وقت یہ کام جس انداز اور پیمانے پر ہو رہا ہے اس میں بہ ظاہر ان مضرتوں کی روک تھام کا انتظام کر لیا گیا ہے جو اس تماشے کے نتیجہ میں پورے انسانی معاشرے کو تباہی میں ڈال سکتی ہے، کیوں کہ ایسے اعضاء صرف خالص رضا کارانہ طور پر صرف ان لوگوں سے لیے اور دیے جاتے ہیں جو اس جہان سے گذر رہے ہیں، خواہ کسی بیماری کی وجہ سے یا سزا کے طور پر قتل ہونے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے لیکن دنیا کے تجربات رکھنے والا کوئی صاحب بصیرت ان وقتی پابندیوں پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ خدانخواستہ یہ طریق علاج رواج پا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ تو یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے۔ وہ اپنے بچوں کی خاطر یہ قربانی اپنی رضامندی کے ساتھ دے گا۔۔۔ اگر یہ چیزیں بھی بکاؤ مال بن گئیں تو بہت سے غریب اپنے بچوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے اپنی یہ چیزیں بھی داؤ پر لگا دیں گے اور دنیا کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ پھر یہ بگاڑ صرف یہیں نہیں رکے گا کہ رضاکارانہ طور کسی انسان کے اعضاء و اجزاء لیے جائیں، بلکہ بہت سے مردے خصوصاً لاوارث مردے بہت سے اعضاء سے محروم ہو کر اس دنیا سے جایا کریں گے اور شاید اگلے دور کے حکماء انسانی اعضاء کو دیر تک کارآمد باقی رکھنے کا کوئی انتظام کرلیں، جیسے آج کل انسانی خون بلڈ بنکوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے تو پھر کسی انسانی میت کی خیر نہیں اور یہ غسل، نماز جنازہ اور کفن ودفن کے سارے قصے ہی بے باق ہوجائیں"۔ ۵؎

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سوالات

اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی جانب سے ایک سوال نامہ جاری کیا گیا تھا۔ ذیل میں ان کے جوابات پیش کیے جارہے ہیں:

خون کا عطیہ:

سوال نمبر (۱) کیا ایک مسلمان دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو ضرورت پڑنی پر خون کا عطیہ دے سکتا ہے؟

ضرورت پڑنے پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو بھی خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر اکثر علماء اور اہل افتاء کا اتفاق ہو چکا ہے۔ عصرِ حاضر میں یہ ایک عظیم انسانی خدمت ہے۔ خون اگرچہ جزء انسانی ہے، مگر اس کو دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لیے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ کی ضرورت پیش نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتی، بلکہ انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے بدن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس حیثیت سے اس کی مثال انسانی دودھ کی سی ہے جو بدن انسانی سے بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے نکلتا ہے اور دوسرے انسان کے بدن کا جزء بنتا ہے۔ شریعت اسلامی نے بچے کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ کو اس کی غذا قرار دیا ہے اور ماں کے لیے بچوں کو دودھ پلانا صرف جائز نہیں، بلکہ عام حالات میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ بچوں کے علاوہ بڑوں کے لیے بھی دوا وعلاج کے طور پر عورت کے دودھ کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"ولا بأس بأن یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشرب بہ للدواء"[٦]

'اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی دوا کے طور پر عورت کا دودھ اپنی ناک میں ڈالے یا پیے'۔

اس لیے جزء انسانی ہونے کی حیثیت سے اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید نہیں۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ وہ انسانی جسم سے اخراج کے بعد دوبارہ بہت جلد اپنی کمی پوری کر لیتے ہیں۔

جن فقہاء کو خون کے استعمال اور دوسرے کے بدن میں اسے داخل کرنے میں تامل ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ خون انسان کا جزء ہے اور جب اسے بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس اور ناپاک بھی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ عام حالات میں ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا جائز نہ ہو۔ اجزاء انسانی کی تکریم کا بھی یہی تقاضا ہے۔

جہاں تک خون کے انسانی جزء ہونے کا تعلق ہے تو اس میں غور کرنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے، مگر اس کو دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لیے اعضاء انسانی میں قطع وبرید کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے کے بدن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس حیثیت سے اس کی مثال انسانی دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کسی کانٹ چھانٹ کے نکلتا ہے۔ جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک اس کی حرمت کا معاملہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ علاجاً حرام اشیاء کا بھی استعمال درست ہے۔ اگرچہ امام ابو حنیفہؒ نے حرام اشیاء سے علاج کو منع کیا ہے، مگر فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے، جو بعض احادیث کی بنا پر اس کو درست قرار دیتے ہیں:

''یجوز للعلیل شرب الدم و البول و أکل المیتة للتداوی إذا أخبره طبیب مسلم انّ شفاءہ فیه و لم یجد فی المباح مایقوم مقامه، و إن قال الطبیب یستعجل شفاءک فیه و جهانِ''۔[۷]

''کسی مریض کے لیے بہ طور علاج مردار کھانا، خون اور پیشاب پینا جائز ہے، بشرطے کہ کوئی مسلمان طبیب اسے بتائے کہ اس کے لیے اس میں شفا ہے اور جائز چیزوں میں کوئی ایسی چیز نہ ملے جو اس کی جگہ لے سکے۔ اگر طبیب کہے کہ اس کے ذریعہ شفا جلد ہوگی (گویا دوسری مباح چیزوں سے بدیر صحت یابی متوقع ہو) تو ایسی صورت میں دو قول ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک صحابی کو سونے کی ناک بنانے کی اجازت دی تھی، جب کہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر فقہاء نے دانت وغیرہ میں سونے کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

غیر مسلم کو خون کا عطیہ

ضرورت پڑنے پر ایک غیر مسلم کو بھی خون کا عطیہ دیا جا سکتا ہے، بلکہ بسا اوقات اگر مذہبی منافرت دور کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہو تو وہاں مسلمانوں کو بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لینا چاہیے۔ دوسری چیز یہ کہ پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ کہا گیا ہے، اس اعتبار سے غیر مسلم کو خون دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ کیا کسی غیر مسلم کا خون مسلم کے بدن میں داخل کرنا جائز ہے؟ اور کسی مسلمان کے لیے غیر مسلم کا عطیہ کیا ہوا خون لینا جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفسِ جواز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے تمام انسانوں کے جسم یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی طرح کافروں اور پرہیزگاروں کی طرح گنہگاروں کا جھوٹا بھی پاک ہے، یہی حکم خون چڑھانے اور خون کا عطیہ کرنے کا ہے، البتہ اگر اس میں احتیاط ممکن ہو تو بہتر ہے، کیوں کہ کفر اور فسق و فجور کے اثرات خبیثہ منتقل ہونے کا اندیشہ ہے۔

مریض کو خون دینے کی تفصیل

سوال نمبر (۲): کیا بلڈ بینکوں میں مسلمان خون کا عطیہ پیش کر سکتے ہیں؟

عام حالات میں (حالات کے فرق کے ساتھ) فقہاء نے خون دینے کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ اس طرح ہیں:

(۱) جب خون دینے کی ضرورت ہو، یعنی کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اس کی جان بچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے۔

(۲) جب خون دینے کی حاجت ہو، یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو، لیکن ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیے بغیر صحت کا امکان نہ ہو، اس وقت بھی خون دینا جائز ہے۔

(۳) جب خون دینے کی گنجائش ہو، مگر اس سے اجتناب بہتر ہو، مثلاً خون چڑھانے سے صحت جلدی بحال ہو جائے اور نہ چڑھانے کی صورت میں دیر سے بحال ہو۔ ایسی صورت میں دونوں اقوال ہیں۔

(۴) جب خون دینے سے محض منفعت یا زینت مقصود ہو، یعنی ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں خون دینا جائز نہیں۔ ۸ ؎

مذکورہ بالا تفصیلات سے اشارہ ملتا ہے کہ عام حالات میں مسلمانوں کے لیے بلڈ بینکوں میں خون کا عطیہ مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ ضرورتِ شدیدہ کے تحت نہیں آتا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاں اگر ہنگامی اور غیر معمولی حادثات پیش آجائیں تو اس موقع پر مسلمانوں کو زخمیوں کو بچانے کے لیے، جب کہ ان زخمیوں کو خون کی ضرورت ہو، رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ کرنا چاہیے۔ محض امکانی ضرورتوں کے لیے بلڈ بینک میں خون جمع کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ انسانی اجزاء کے سلسلے میں مسئلہ یہی ہے کہ لین دین سے بچا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اگر معتبر طبیب کی رائے کے مطابق خون چڑھانا مریض کے لیے ضروری ہو تو ایسے مریض کو خون دینا جائز ہے۔۔۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب بہ حالت موجودہ کوئی ایسا مرض پیدا ہو گیا ہو کہ بہت سے لوگوں کو خون کی ضرورت ہو اور اس کے لینے کے لیے بلڈ بینک میں خون جمع کرنا ضروری ہو، تو ایسی صورت میں بھی خون دیا جا سکتا ہے، محض امکانی ضرورتوں کے لیے خون دینا درست نہیں، کیوں کہ انسانی اجزاء کے سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کے لین دین سے بچا جائے، تاہم یہ احکام اس وقت ہیں جب بلا قیمت رضا کارانہ خون دیا جائے۔ خون کا فروخت کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔[۹]

رضا کارانہ بلڈ بینک کا قیام

سوال نمبر (۳): مسلمانوں کا رضا کارانہ بلڈ بینک قائم کرنا کیسا ہے؟

عام حالات میں محض امکانی ضرورتوں کے لیے مسلمانوں کا رضا کارانہ بلڈ بینک قائم کرنا جائز نہیں ہے۔ خدمت خلق کے جذبے سے بھی کسی کام کو انجام دینے کے لیے شریعت کے اصولوں اور ضابطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، محض دوسروں کی نقل میں کسی کام کا انجام دینا اور اس کو بہتر اور مستحسن تصور کرنا، جب کہ شریعت کے اصول وضوابط سے وہ کام ٹکرا رہا ہو، کبھی بہتر نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے موقع پر اگر کوئی شخص ہسپتال جا کر خون کے ضرورت مند مریضوں کو اپنا خون دیتا ہے، تا کہ ہزاروں برادران وطن پر اس کا اچھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثر مرتب ہو اور غیر مسلموں میں یہ تأثر پیدا ہو کہ مسلمانوں کے پاس صرف لینے والا ہاتھ نہیں ہے، بلکہ دینے والا ہاتھ بھی ہے، تو یہ عمل پسندیدہ ہے۔لیکن اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ شریعت کے اصول اور حکم منصوص کی خلاف ورزی نہ ہو۔

شدید ضرورت پر خون کا عطیہ

سوال نمبر (۴): اگر کسی مریض کو خون کی شدید ضرورت ہو،لیکن اس کا خون ایسے نادر گروپ سے تعلق رکھتا ہو جو بمشکل ہی ملتا ہو، اور اسی گروپ کے خون کا حامل کوئی شخص موجود ہو تو کیا ایسے شخص کو اس مریض کو خون دینا واجب ہوگا؟ یا مستحب اور جائز؟

صورت مسئولہ میں ایسے شخص کا خون دینا جائز ہوگا، واجب اور مستحب نہیں۔فقہاء لکھتے ہیں کہ جب خون دینے کی ضرورت ہو، یعنی کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اس کی جان بچنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو تو خون دینا جائز ہے۔

لیکن اگر مریض کی ہلاکت یقینی ہو کہ اگر اس کے بدن میں مطلوبہ گروپ کا خون داخل نہ کیا گیا تو وہ مر جائے گا اور اس گروپ کے خون کا حامل اس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ملے ہی نہ اور اس شخص کے اندر مطلوبہ خون دینے کی صلاحیت ہو اور خود اس شخص کے بیمار اور کمزور ہونے کا خطرہ نہ ہو تو احقر کی رائے میں ایسے شخص کے لیے خون کا دینا مستحب ہی نہیں بلکہ واجب ہونا چاہیے۔(واللہ اعلم بالصواب)

جگر اور دیگر اعضاء کا عطیہ

سوال نمبر (۵): کیا انسانی جگر اور دیگر اعضاء کا عطیہ جائز ہے؟

جدید میڈیکل سائنس اور طبی ٹکنالوجی نے آج حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ آج کے زمانہ میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ایک مردہ انسان کے جگر کی پیوند کاری دوسرے انسان کے جسم میں کر دی جائے، جب کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کو بالکل ناممکن سمجھا جاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جا سکتی ہے؟ کیا مرنے کے بعد اس شخص کی اجازت سے اس کے جگر کو نکال کر کسی متعین شخص کی جان کو بچایا جاسکتا ہے، یا کسی طبی ادارہ کو عطیہ کے طور پر دینے کی گنجائش ہے، تا کہ کسی انسان کو ضرورت پڑنے پر اس کی جان بچائی جا سکے؟ کیا مرحوم کے ورثاء کو اس کے جگر کا عطیہ کرنے کا حق ہے؟

اس سلسلے میں قدیم اور جدید علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ جو حضرات اعضاء کی پیوند کاری کو ضرورتاً جائز قرار دیتے ہیں، ان کے پیش نظر وہ فقہی قواعد ہیں جن کے مطابق ضرورت کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پائی ہیں اور ان قواعد کی تطبیق میں قرآن مجید کی وہ آیات بھی ان کے پیش نظر ہیں جن میں جان بچانے کے لئے اضطرار کی حالت میں حرام کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔(النحل:۱۰۶۔البقرۃ: ۱۷۳۔ المائدۃ: ۳) جواز کے قائلین اس سلسلے میں دیگر فقہی نظائر کو بھی پیش کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لیے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔ علامہ سمرقندیؒ نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لیے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ’’لو أن حاملا ماتت وفی بطنها ولد یضطرب فإن کان غالب الظن انه ولد حیّ وهو فی مدة یعیش غالباً فانه یشقّ بطنها لأن فیه احیاء الآدمی فترک تعظیم الادمی أهون من مباشرة سبب الموت۔۱۰؎
>
> ’اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو، اگر غالب ظن یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی بچانا ہے اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کی تعظیم وتکریم کے تقاضے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑ دیا جائے‘۔

جن حضرات نے اعضاء کی پیوند کاری اور اعضاء و اجزاء انسانی کے ہدیہ اور عطیہ سے منع کیا ہے انہوں نے اس کے مختلف اسباب و وجوہ بیان کیے ہیں، مثلاً انسان کے علیحدہ شدہ اعضاء کا ناپاک ہونا، حرام ہونا، انسان کا خود اپنے جسم کا مالک نہ ہونا اور اللہ کی طرف سے اس کا امین ہونا وغیرہ۔ ان کی نظر میں عدم جواز کی جو اصل علت پیش نظر ہے وہ انسانی حرمت و کرامت کا تحفظ ہے۔ اکثر فقہاء نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو اسی لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ کہیں انسان متاعِ خرید و فروخت بن جائے۔ یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔

صاحب مبسوط لکھتے ہیں:

وشعر الانسان والانتفاع به، ای لم یجز بیعه والانتفاع به، لأن الآدمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوز أن یکون شیء من أجزائه مهاناً مبتذلاً [۱۱]

”اور انسان کے بال سے نہ انتفاع جائز ہے نہ اس کی بیع جائز ہے۔ اس لیے کہ آدمی قابل تکریم ہے، نہ کہ قابل تصرف کوئی چیز، پس جائز نہیں ہے کہ اس کے اجزاء میں سے کسی بھی جزء کو ذلیل وحقیر کیا جائے اور استعمال کیا جائے“۔

اور چوں کہ حرمت و کرامت اور عزت و تکریم میں زندہ و مردہ دونوں برابر ہیں اس لیے نہ زندہ انسان کے اعضاء اس مقصد کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں نہ مردہ کے۔

میری نظر میں قائلین عدم جواز کا موقف زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ شارع نے انسان کو مکرم و محترم بنایا ہے اور وہ اس کی توہین و تذلیل کو جائز نہیں رکھتا۔ اگر اعضاء انسانی کے ہبہ اور عطیہ کی اجازت دے دی گئی اور اسے پسندیدہ عمل باور کرا دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ آنے والے وقت میں زندہ اور مردہ انسانوں کے اعضاء و اجزاء بکاؤ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال ہو جائیں گے۔ کسی انسانی میت کی خیر نہیں رہے گی اور غسل، کفن دفن اور نماز جنازہ کے سارے قصے ختم ہو جائیں گے۔

انسان کے اعضاء و اجزاء اس کی اپنی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، جن میں وہ مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے اعضاء و اجزاء کو بیچے یا کسی کو ہبہ کے طور پر دے۔ اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضامندی اور خود مرنے والے کی وصیت سے بھی اس کے اعضاء و اجزاء کے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آنکھ یا دیگر اعضاء کا عطیہ اور وصیت:

جدید میڈیکل سائنس نے آج کافی ترقی کر لی ہے۔ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ایک انسان کے آنکھ کے قرنیہ (Cornea) کی اگر کسی نابینا کے حلقۂ چشم میں پیوند کاری کر دی جائے تو اس کو بینائی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ پیوند کاری زندہ شخص کی آنکھ سے بھی کی جا سکتی ہے اور مرنے کے بعد بھی چند گھنٹے کے اندر مردہ شخص سے قرنیہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تو کیا کوئی زندہ شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی آنکھ کا قرنیہ عطیہ کر سکتا ہے؟ ایسا کرنے میں اس شخص کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ میرا کام تو ایک آنکھ سے چل سکتا ہے، اگر کسی دوسرے شخص کا بھلا ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا موت کے بعد کسی شخص کا قرنیہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں کس کی اجازت معتبر ہوگی؟ اگر مرنے والے نے وصیت کر دی تھی تو کیا اس کی وصیت پوری کی جا سکتی ہے؟

اوپر اعضاء و اجزاء کے ہبہ اور عطیہ سے متعلق تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں، مجوزین اور مانعین کے دلائل پر گفتگو کی جا چکی ہے اور جمہور کے موقف کی وضاحت بھی آ چکی ہے۔ لہٰذا جو حکم جگر کے ہبہ اور عطیہ کا ہوگا وہی آنکھ کے عطیہ اور ہبہ کا ہوگا۔

جہاں تک اعضاء کی وصیت کرنے کی بات ہے، تو چوں کہ موت کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک باقی نہیں رہتا، اس لیے اگر کوئی شخص ایسی وصیت کر جائے تو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ایسی چیز کی وصیت کرنا درست نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ نیز کسی شخص سے قرنیہ اس کی موت کے بعد بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے آج جو آئی بینک قائم ہیں، جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر آنکھوں کا عطیہ کرتے ہیں، تا کہ ضرورت مند لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، ایسے بینک کو مردہ یا زندہ شخص کی آنکھوں کا عطیہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں، تاہم یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کوئی مریض سامنے موجود ہو، نہ کہ متوقع مریض کے لیے۔ فاضل عضو سے مراد کیا ہے؟ اس کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس کو نکالے جانے کی وجہ سے اس کی جان ہلاکت میں نہ پڑے، جیسے کوئی شخص دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ کا قرنیہ اپنے بھائی کو، جو نابینا ہو چکا ہو، دے دے۔ بعض علماء اسے جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔

اعضاء و اجزاء کے عطیہ میں کس کی اجازت معتبر ہوگی؟

اعضاء و اجزاء انسانی کے عطیہ میں کس کی اجازت معتبر ہوگی؟ یعنی اگر مردہ شخص کے جسم سے جگر یا آنکھ حاصل کرنا جائز ہو تو اس سلسلے میں کس کی اجازت معتبر ہوگی؟ خود اس شخص کی یا اس کے ورثہ کی؟ یا دونوں کی؟

اس سوال کا جواب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو اعضاء و اجزاء انسانی کے عطیہ کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں میرا موقف و رجحان عدمِ جواز کا ہے۔ اس لیے میری نظر میں اس سلسلے میں کسی کی اجازت معتبر نہ ہوگی۔ کیوں کہ انسان کے اعضاء و اجزاء اس کی اپنی ملکیت نہیں ہیں، جن میں وہ مالکانہ تصرف کرے، یا کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ عطیہ کرے۔ جہاں تک وصیت کی بات ہے تو چوں کہ مرنے کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک نہیں رہتا اس لیے اگر کوئی شخص ایسی وصیت کر جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جس طرح مرنے کے بعد انسان اپنے جسم کا مالک نہیں رہتا اسی طرح وارثین پر اس کے مال کو تو شریعت کے مطابق تقسیم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لیکن اس کے جسم پر تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دودھ بینک کا قیام اور حکم شریعت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماں کا دودھ شیر خوار بچے کے لیے صحت بخش غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا خزانہ ہر ماں کے سینے میں رکھا ہے۔ جدید طب نے بھی اس کی افادیت کو تسلیم کیا ہے۔ اخبارات ورسائل اور پرنٹ والکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اس کی تشہیر کرائی جاتی ہے کہ نومولود اور شیر خوار بچے کے لیے ماں کے دودھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غذا نہیں۔ زمانۂ قدیم میں عورتیں اپنے بچے کو بھی دودھ پلاتی تھیں اور دوسرے بچوں کو بھی اور انھیں اس کی متعین اجرت دی جاتی تھی۔ اسلام کی آمد کے بعد شریعت اسلامی نے رضاعت کو بھی حرمت مؤبّدہ کا سبب مانا اور اس کو ایک قانونی درجہ دیا۔

عصر حاضر میں یورپ اور دیگر مغربی ممالک میں عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ کسب معاش میں لگ گئی ہیں اور ان کی مصروفیات اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کی انھیں فرصت نہیں۔ ان ملکوں میں اس مسئلہ کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ وہاں دودھ بینک قائم کیے گئے ہیں۔ یہ بینک ان عورتوں کو جو اپنا دودھ فراہم کرتی ہیں، معاوضہ دیتے ہیں۔ اہل یورپ کی نقالی میں یہ بینک ہندوستان میں بھی قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔ کیا شریعت اسلامی کی روشنی میں اس طرح کا بینک قائم کرنا درست ہے؟ کیا اجرت لے کر یا بلا اجرت کسی عورت کا ان بینکوں میں دودھ فراہم کرنا جائز ہوگا؟ یورپی ملکوں میں جو مسلمان آباد ہیں، کیا مجبوری میں کوئی مسلمان عورت، جس کے اندر دودھ نہ ہو، ان بینکوں سے دودھ لے کر اپنے بچوں کو پلا سکتی ہے؟

اس طرح کا دودھ بینک قائم کرنا شریعت کی روشنی میں حرام ہے۔ جمہور علماء اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کسی عورت کا اجرت لے کر یا بلا اجرت ان بینکوں میں دودھ فراہم کرنا جائز نہیں۔ جن مسلمان عورتوں کی چھاتی میں دودھ نہ ہو ان کے لیے بھی اس دودھ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ وہ حلال جانوروں، مثلاً گائے، بھینس اور بکری کے دودھ کو استعمال کریں یا ڈبہ والا دودھ استعمال کریں۔ اگر یہ بینک خالص عیسائیوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہودیوں کے ہوں اور صرف ان ہی کی عورتوں کا اس میں دودھ ہو تب بھی مسلمان عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہاں سے دودھ حاصل کر کے اپنے بچوں کو پلائیں، کیوں اس دودھ کے منفی اثرات ان بچوں پر پڑیں گے اور مستقبل میں حرمت رضاعت کے حوالے سے بھی مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں، مثلاً دودھ پینے والا بچہ، جو مسلمان ہے، بلوغ کے بعد شادی کی عمر کو پہنچ جائے اور کسی ایسی نومسلمہ یہودی یا عیسائی لڑکی سے شادی کرے جس نے اسی بینک کا دودھ استعمال کیا ہو اور دونوں نے جو دودھ استعمال کیا ہو وہ ایک ہی عورت کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ اور فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء نے بھی دودھ بینک کے قیام کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے عورت کا چھاتی سے براہ راست دودھ پلانا شرط نہیں ہے۔ اگر کسی عورت نے اپنا دودھ اور مصنوعی دودھ ملا کر پلا دیا، یا پانی میں تحلیل کر کے پلا دیا اور دودھ کا وصف غالب رہا، یا عورت نے اپنا دودھ نکال کر کسی بچے کو پلا دیا ان تمام صورتوں میں رضاعت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ ۱۲؎

جمہور علماء مثلاً امام شعبہؒ، سفیان ثوریؒ جمہور احناف اور امام مالکؒ کے نزدیک رضاعت کے ثبوت کے لیے چھاتی سے دودھ پلانا شرط نہیں ہے، بلکہ سعوط اور وجور کی صورت میں بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ایک دوسرا طبقہ علماء کا وہ ہے جو رضاعت کے ثبوت کے لیے عورت کا چھاتی سے دودھ پلانا شرط قرار دیتا ہے۔ اس فکر کے حامل داؤد ظاہری ہیں، امام ابواللیث کا مذہب بھی غالباً یہی ہے اور عطاء خراسانی وجور کی صورت میں رضاعت کے قائل ہیں، لیکن سعوط کی صورت میں ان کے نزدیک رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ ۱۳؎

علامہ یوسف القرضاوی اور بعض دیگر علماء کی اس سلسلے میں ایک تجویز یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جمہور علماء کا مسلک درست ہے، لیکن اگر چند شرائط کا لحاظ کر لیا جائے اور اس پر پوری طرح عمل کیا جائے تو دودھ بینک قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) جس عورت کا دودھ حاصل کیا جائے اس کو الگ محفوظ ڈبہ میں رکھا جائے اور اس میں کسی اور عورت کا دودھ نہ ملایا جائے۔

(۲) اس عورت کا مکمل ریکارڈ محفوظ کر کے رجسٹر میں اس کا اندراج کیا جائے اور اس بوتل اور شیشی اور ڈبہ پر بھی اس کو چسپاں کر دیا جائے اور اس سلسلے میں پوری احتیاط برتی جائے۔ دودھ بینک میں دودھ دینے والی عورت کا مکمل نام، پتہ، ولدیت اور دیگر تفصیلات کو پوری دیانت داری کے ساتھ لکھ لیا جائے اور جس عورت اور مرد کو بچے کو دودھ پلانے کی خاطر وہ ڈبہ دیا جائے، اس کو پوری تفصیلات سے آگاہ کر دیا جائے اور حرمت کی دینی و شرعی حیثیت سے بھی اس کو آگاہ کر دیا جائے۔

(۳) دودھ بینک سے جو دودھ حاصل کیا جائے اس کو براہ راست نہ پلایا جائے، بلکہ اس کو مصنوعی دودھ یا گائے بھینس اور بکری کے دودھ میں یا کھانے کی چیزوں میں اس طرح خلط ملط کر دیا جائے کہ دودھ کا وصف مغلوب ہو جائے اور دوسری چیز اس پر غالب آ جائے۔

مادۂ منویہ بینک اور حکم شریعت:

موجودہ مغربی تہذیب کی لعنت اور گندگی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ آج یورپ اور اکثر مغربی ممالک میں مادۂ منویہ کے بینک قائم کیے گئے ہیں اور اس کو جدید میڈیکل ترقی کا نام دیا جا رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس طرح کے بینک یورپ کی نقالی میں مشرقی ممالک میں بھی قائم ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ جن مردوں کے مادۂ منویہ میں تولیدی صلاحیت کے جرثومے نہیں ہوتے ہیں ان کو یہ بینک کارگر جرثومے فراہم کرتے ہیں اور جن عورتوں میں تولید کے لائق بیضے پیدا نہیں ہو پاتے، ان کے لیے بیضے فراہم کرتے ہیں۔ اہل مغرب اس طرح کے بینکوں کی ضرورت کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں ذہنی ڈپریشن، حصول معاش اور تلاش معاش کی شب و روز فکر، عورتوں کے ملازمتیں کرنے، ایک عمر تک صنفی لذت اٹھانے کے لیے آزاد زندگی گزارنے وغیرہ کا منفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ لوگوں میں بانجھ پن بڑھتا جا رہا ہے اور اکثر جوڑے فطری طور پر اولاد سے بہرہ ور نہیں ہو پاتے۔ اس لیے مادۂ منویہ بینک قائم کیے جاتے ہیں۔

ظاہر سی بات ہے کہ دودھ بینک کے مقابلہ میں ہزار بلکہ لاکھ گنا شناعت اور نامعقولیت مادۂ منویہ بینک کی ہے۔ ہر وہ شخص، جو دین فطرت پر قائم ہے اور جس کے اندر عقل سلیم ہے، وہ اس طرح کے بینک کے تصور ہی سے گھن کرے گا، چہ جائے کہ وہ اسے قائم کرنے کی فکر کرے، یا اس میں جا کر کسی ضرورت مند مرد یا عورت کو مادہ منویہ فروخت کرے، یا بغیر قیمت عطیہ کے طور پر دے، یا اس سے قیمۃً یا ہدیۃً جرثومے اور بیضے خریدے۔

اللہ تعالیٰ نے تولید کا فطری نظام یہ بنایا ہے کہ مرد اور عورت کے اتصال سے بچہ پیدا ہو۔ وہ کسی جوڑے کو صرف نر اولاد سے نوازتا ہے، کسی کو صرف مادہ اولاد سے اور کسی کو دونوں سے جب کہ کسی جوڑے کو بانجھ رکھتا ہے اور اسے اولاد سے محروم رکھتا ہے۔ کبھی تو یہ بانجھ پن شوہر اور بیوی دونوں کے اندر پایا جاتا ہے اور کبھی ان میں سے کسی ایک کے اندر۔ اب اگر مرد کے اندر بانجھ پن نہیں ہے اور اس کے اندر اولاد کے حصول کا بے پناہ جذبہ اور محبت ہے تو وہ اس کے لیے دوسری شادی کر سکتا ہے۔ اور اگر مرد کے اندر بانجھ پن ہے اور بیوی اولاد کے لیے تڑپ رہی ہے تو شریعت نے اس کو حق دیا ہے کہ وہ اس مرد سے خلع لے لے یا قاضی کے ذریعہ تفریق کرالے اور عدت کے بعد دوسری شادی کرلے اور اگر اللہ کی حکمت اور مصلحت پر راضی ہو کر اسی شوہر کے ساتھ رہنا چاہے تو اللہ کے یہاں ایسی عورت کا بڑا مقام ہوگا اور وہ اجر و ثواب کی حق دار ہوگی۔

ایک مسلمان جو ثبوتِ نسب کے اسلامی قانون نیز اس کی حساسیت سے واقف ہو، وہ کیوں کر یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس طرح کے بینکوں سے کسی بھی صورت میں استفادہ کیا جائے، اسلام کے فطری قانون کا مذاق اڑایا جائے اور اللہ کی خلاقیت اور نظام فطرت سے بغاوت کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادارتی نوٹ:

'اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ' کے موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا چوبیسواں فقہی سمینار یکم تا ۳/مارچ ۲۰۱۵ء، دارالعلوم اسلامیہ اوچرا (کیرلہ) میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں جو مقالات پیش کیے گئے تھے اور مباحثات ہوئے تھے ان کا مجموعہ ایفا پبلی کیشنز نئی دہلی سے شائع ہو گیا ہے۔ (جنوری ۲۰۱۶ء، صفحات: ۶۴۱) اس موقع پر شرکاءِ سمینار نے بالاتفاق جو تجاویز منظور کی تھیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ خون انسانی جسم کا ایک بنیادی جزء ہے، جس سے حیات انسانی کی بقا مربوط ہے۔ اگر کسی انسان کو خون کی ضرورت پڑ جائے اور ماہر ڈاکٹر کی تجویز ہو کہ اس کے لیے خون ناگزیر ہے تو انسانی جان بچانے کے لیے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو عطیہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کے لیے اس سے لینا بھی جائز ہے۔

۲۔ ایسے بلڈ بینک جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہیں اور وہ بینک ضرورت مندوں کو مفت خون فراہم کرتے ہیں، وہاں مسلمان کے لیے خون کا عطیہ کرنا جائز ہے۔

۳۔ رضا کارانہ بلڈ کیمپ لگانا اور بلڈ بینک قائم کرنا بھی انسانی ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اور یہ انسانی خدمت میں شامل ہے۔

۴۔ ایسے نازک موقع پر جہاں خون کا عطیہ نہ کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہے وہاں مطلوبہ گروپ کے حامل موجود شخص کے لیے اپنا خون عطیہ کرنا ایک اہم انسانی فریضہ اور شرعاً پسندیدہ ہے۔

۵۔ موجودہ طبی تحقیق کے مطابق زندہ شخص کے جگر کے بعض حصے کو دوسرے ضرورت مند انسان میں منتقل کرنا ممکن ہو گیا ہے اور عطیہ کرنے والے کے جگر کے بقیہ بچے ہوئے حصے کا چند مہینوں میں مکمل ہو جانا تجربہ میں آچکا ہے، اس لیے جگر کی منتقلی اور پیوند کاری اپنے کسی عزیز یا دوست کے لیے رضا کارانہ طور پر جائز ہے، البتہ خرید فروخت قطعاً جائز نہیں۔

© rasailojaraid.com